فاضل بریلوی کے اذانِ قبر سے متعلق رسالہ
"ایذان الاجر" کا مکمل و مدلل جواب

اِمعانُ النظرِ فی اَذانِ القبر

یعنی

اذانِ قبر کا تحقیقی جائزہ

تصنیف لطیف

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

انجمن ارشاد المسلمین ۱۴ - بہاولپور روڈ
مزنگ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

ربیع الثانی ۵۶ ہجری میں ضلع ملتان (پنجاب) سے ایک صاحب نے حضرت مولانا مولوی محمد منظور نعمانی مدظلہ، کی خدمت میں اذان قبر کے متعلق استفتاء بھیجا اور تفصیلی جواب کی خواہش کی۔ نیز اسی دوران میں مولانا ممدوح کے مخلص محبّ مولوی عبدالحفیظ خاں صاحب شکوہ آبادی نے بھی اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالنے اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے رسالہ ''ایذان الاجر'' کا جواب لکھنے کی طرف مولانا ممدوح کی توجہ مبذول کرائی۔ اور اسی تحریک پر مولانا موصوف نے یہ رسالہ ارقام فرمایا.......... اگرچہ اصلاً وبالذات اس میں صرف ''اذان قبر'' پر بحث کی گئی ہے۔ مگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو ان ہی چند اوراق میں اس قسم کی تمام دوسری بدعات کی بحث بھی ختم ہو گئی اور ان کی حمایت میں مصنفین اہل بدعت جن مغالطہ آفرینیوں اور ابلہ فریبیوں سے کام لیا کرتے ہیں۔ ان سب کا جواب بھی اس میں آگیا۔ اب ہدایت وضلالت مقلب القلوب کے قبضہ میں ہے۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین، آمین!

خاکسار

ناظم دفتر الفرقان، بریلی

رجب ۱۳۵۶ ہجری

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

چند تمہیدی مقدمات : ''اذانِ قبر'' کے متعلق اصل حکم شرعی لکھنے سے پہلے چند تمہیدی مقدمات عرض کیے جاتے ہیں جو خاص اسی مسئلہ میں نہیں بلکہ تمام بدعات کا حکم معلوم کرنے میں کار آمد ہوں گے۔

پہلا مقدمہ : دین الٰہی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مکمل ہو چکا اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر تمام امت کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے یہ مژدہ سنا دیا گیا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ:۳)

آج ہم نے تمہارا دین بالکل مکمل کر دیا

اس اعلان الٰہی کا منشا یہی ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم اور اضافہ کی ضرورت نہیں رہی اور نہ قیامت تک ضرورت ہوگی انسانی ہدایت کے لیے جن احکام کی ضرورت تھی وہ سب اتار دیئے گئے اور نجات کا قانون ہمیشہ کے لیے مکمل کر دیا گیا اور اس پر عمل کر لینا انسان کی نجات اور اس کی فلاح و بہبودی کے لیے قطعی کافی ہے اب جو شخص دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نہیں دی تو در پردہ گویا وہ یہ دعوی کر رہا ہے کہ دین نامکمل تھا اور میری اس ترمیم کا محتاج تھا، یا وہ اس کا مدعی ہے کہ معاذ اللہ حضور ﷺ نے تبلیغ رسالت میں خیانت کی اور یہ چیز جو داخل دین تھی وہ ہم کو نہیں پہونچائی اور اب میں اس کو لوگوں کو بتلاتا ہوں بہر حال جو چیز پہلے سے داخل دین نہ ہو آج بھی دین میں سے نہیں ہو سکتی اور جس چیز کا موجب قرب الٰہی ہونا

رسول اللہ ﷺ نے نہیں بتلایا وہ آج بھی باعث تقرب اور ذریعہ رضائے خداوندی نہیں ہو سکتی۔

صحیحین (بخاری و مسلم) و دیگر کتب حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد (مشکوة: ص ٢٧)

جس نے ہمارے دین میں وہ بات نکالی جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے

اور صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے

من عمل عملا لیس علیه امرنا فهورد

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے متعلق ہمارا حکم نہ تھا وہ مردود ہے

اور امام دار الہجرت حضرت مالکؒ بن انس فرماتے ہیں:

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمدا صلی الله علیه وسلم خان الرسالة لان الله یقول الیوم اکملت لکم دینکم فمالم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا (الاعتصام ص ٢٨)

جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے تو گویا اس نے گمان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغامبری میں خیانت کی کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ آج میں نے تمہارے واسطے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ پس جو چیز اس دن داخل دین نہ تھی آج بھی داخل دین نہیں ہو سکتی۔

<u>دوسرا مقدمہ</u>: جس طرح شریعت میں نئی ایجادات کا دروازہ بند ہے اسی طرح کسی کو بھی حق نہیں کہ شریعت کے بتلائے ہوئے ان امور خیر کے لیے جن کے واسطے شارع نے کیفیات مخصوصہ اور حدود و واقعات کی تعیین نہیں کی ہے۔ ان

کے لیے اپنی طرف سے کوئی خاص ہیئت و نوعیت یا کوئی مخصوص وقت مقرر کر سکے اور اس کے ساتھ امر شرعی کا سا معاملہ کرے علی ہذا کسی کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ شریعت نے جس عمل خیر کے لیے کوئی خاص وقت یا موقع مقرر کر دیا ہے کوئی شخص اس کے علاوہ دوسرے اوقات یا دوسرے مواقع میں بھی اس کو اسی طرح جاری کرے کہ یہ حدود اللہ سے تعدی اور قانون شریعت سے ایک گونہ بغاوت ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کا گذر ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا جن میں ایک شخص کہتا تھا خدا کی رحمت اس شخص پر جو اتنی بار سبحان اللہ کہے خدا کی رحمت اس شخص پر جو اتنی دفعہ الحمد للہ کہے چنانچہ حاضرین اس کے مطابق کہتے تھے آپ نے جب یہ دیکھا تو ان سے مخاطب ہو کر نہایت جلال کے انداز میں فرمایا:

لقد هديتم لما لم يهتد له نبيكم وانكم لتمسكون بذنب ضلالة (رواه ابن وضاح كما فى الاعتصام)

آہا! تم کو وہ ہدایت مل گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں ملی تھی، در حقیقت تم مگر گمراہی کی دم پکڑے ہوئے ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تسبیح و تحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوتی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے لیکن اس کا یہ خاص طرز و طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا نہیں ہے بلکہ تمہارا خود ایجاد کردہ ہے لہذا گمراہی ہے۔

اور امام ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بدعات کے بیان میں فرماتے ہیں:

ومنها التزام الكيفيات والهيات المعينة كا لذكر بهئية الاجتماع على صوت واحد.... ومنها التزام العبادات المعينة فى اوقات معينة لم يوجد لها ذالك التعيين فى

الشريعة (اعتصام ص ۲۰ ج ۱)
اور انہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیات معینہ کا التزام ہے جیسے کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا اور انہی بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام کر لینا ہی ہے جس کے لیے شریعت نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں۔

تیسرا مقدمہ: عبادات میں جس طرح کمی کرنا جرم ہے اسی طرح اپنی طرف سے زیادتی بھی ظلم ہے اور اس کے لیے وہی دلائل کافی ہیں جو پہلے مقدمہ کے ثبوت میں نقل کیے گئے۔ علاوہ بریں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے بھی یہ اصول صاف طور سے مفہوم ہوتا ہے جس کو صاحب مجموع البحرین نے نقل کیا ہے کہ:

ان رجلا یوم العید ارادان یصلے قبل صلوة العید فنهاه علی رضی الله عنه فقال الرجل یا امیر المومنین انی اعلم ان الله لا یعذب علی الصلوة فقال علی وانی اعلم ان الله تعالی لا یثیب علی فعل حتے یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم اویحث علیه فیکون صلوتك عبثا والعبث حرام فلعله تعالی یعذبك به لمخالفتك لرسوله صلی الله علیه وسلم (حکاه صاحب المنار فے تعلیقاته کما فی الجنة – ص ۱٦٥)

ایک شخص نے عید کے دن نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنی چاہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو منع فرمایا۔ اس نے عرض کیا اے امیر المومنین! میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالی مجھے نماز پڑھنے پر سزا نہ دے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ

تعالی کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا نہ ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو (اور دوگانہ عید سے پہلے نفل نماز حضور سے قولا یا فعلا ثابت نہیں ہے پس تیری یہ نماز فعل عبث ہوگی اور فعل عبث حرام ہے تو شاید اللہ تعالی تجھ کو اپنے رسول کی مخالفت کی وجہ سے عذاب دے

اور سنن ابی داوُد باب ''فی الصف علی الجنازہ'' کی مالک ابن ہبیرہ والی حدیث کے حاشیہ میں ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوۃ سے منقول ہے۔

ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ لا نہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنازۃ (مرقات ج ٤ ص ٦٤)

اور نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کریں کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مانند ہوگا۔

اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوۃ میں ارقام فرماتے ہیں۔

فالزیادۃ فی مثلہ نقصان فی الحقیقۃ کما لا یزاد فی الا ذان بعد التہلیل محمد رسول اللہ و امثال ذالک کثیرۃ (لمعات ج)

ان جیسی چیزوں میں زیادتی فی الحقیقت کمی ہے جس طرح کہ اذان میں آخری کلمہ لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ نہیں بڑھایا جاتا اور اس کی مثالیں بہ کثرت ہیں۔

<u>چوتھا مقدمہ</u>: جب کبھی کسی گمراہ سے گمراہ فرقہ یا فرد نے بھی کوئی بد سے بدتر بدعت دین کے نام پر ایجاد کی ہے تو اس نے اس میں محاسن اور خوبیوں کا ضرور دعوی کیا ہے اور اس کی ترویج کے لیے خدا اور مذہب ہی کے نام پر کچھ دلائل بھی

تراشے ہیں اور ضرور ایسا پیرایہ بیان اختیار کیا ہے جس سے سادہ لوحوں کو مغالطہ میں مبتلا کیا جا سکے۔ چنانچہ مشرکین نے بت پرستی جیسی قبیح ترین بدعت کو بھی جائز اور مستحسن ثابت کرنے کے لیے کہا تھا۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر: ۳)

ہم اپنے ان دیوتاؤں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا سے قریب تر کر دیں

نیز انہوں نے ملت ابراہیمی میں ایک بدترین بدعت یہ ایجاد کی تھی کہ خانہ کعبہ کا طواف مادر زاد برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اس شرمناک فعل کی توجیہ اس طرح کرتے تھے کہ۔

کپڑے پہن کر تو ہم روزمرہ گناہ کرتے ہیں پھر انہی کپڑوں میں خانہ خدا کا طواف کیوں کریں۔ ہم تو اس حال میں طواف کریں گے جس حال میں اللہ نے ہم کو پیدا کیا تھا۔

اور قرآن عزیز میں ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ (سورہ یٰس: ۴۷)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو دولت خدا نے تم کو دی ہے اس میں سے کچھ اللہ کے راستے میں بھی خرچ کرو (اور فقراء مساکین کو دو) تو وہ کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم ان بھوکوں کو کھلائیں جن کو خدا نے ہی کھلانا نہیں چاہا اور اگر خدا چاہتا تو ان کو کھانا دیتا۔

اب دیکھیے کہ ان بدکرداروں کو خدا کی راہ میں کچھ دینا نہ تھا لیکن از راہ شیطنت اس نہ دینے پر بھی "بدعت حسنہ" کا لفافہ چڑھا دیا اور اپنے اس بدترین اور غیر انسانی فعل کو "رضا بالقضا" جیسے اعلیٰ وصف کے ماتحت پیش کیا۔ خیر یہ حال تو دور جاہلیت کے کفار و مشرکین کا تھا۔ لیکن ملت اسلامیہ کا دعویٰ کرنے والے ہی

جس مبتدع کو آپ دیکھیں گے اس کا یہی حال پائیں گے وہ اپنی بدعت میں بیشمار مصالح بتائے گا اور اس کے لیے شرعی دلائل بھی پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔ امام ابو اسحاق شاطبی رحمتہ اللہ علیہ نے بالکل صحیح ارقام فرمایا ہے۔

انك لا تجد مبتدعا ممن ينسب الى الملة الا وهو يستشهد على بدعته بدليل شرعي (اعتصام ص ١٠٢)

تم کسی ایسے مبتدع کو نہ پاؤ گے جو ملت سے وابستگی کا مدعی ہو مگر یہ کہ وہ اپنی بدعت پر کسی دلیل شرعی سے ضرور استشہاد کرتا ہو گا۔

اور یہ حقیقت بھی نا قابل انکار ہے کہ بہت سی بدعات میں مصلحت اور منفعت کا بھی کوئی نہ کوئی پہلو ہوتا ہے اور وہی لوگوں کے لیے مغالطہ کا باعث بن جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو امر خیر یا بالفاظ دیگر "بدعت حسنہ" سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ جس چیز میں کوئی مصلحت یا منفعت ہو وہ ہمیشہ اچھی ہی ہو، یا جائز بھی ہو، قرآن مجید میں قمار اور شراب کے متعلق تصریح ہے کہ ان میں لوگوں کے لیے فی الجملہ منفعتیں بھی ہیں، لیکن بایں ہمہ چونکہ شریعت کی نظر میں مضرت کا پہلو غالب ہے اس لیے دونوں حرام قطعی ہیں۔

<u>پانچواں مقدمہ</u>: کسی عمل کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بالکلیہ متروک ہونا حالانکہ اس کے دواعی و اسباب جو آج موجود ہیں وہ اس وقت بھی موجود تھے' اس کی دلیل ہے کہ وہ امر غیر مشروع ہے بالخصوص جب کہ اس کا تعلق باب عبادات سے ہو۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے جو تیسرے مقدمہ کے ذیل میں مجمع البحرین کے حوالہ سے نقل کیا گیا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جو اثر دوسرے مقدمہ کے ذیل میں مذکور ہوا وہ بھی اس کی نہایت واضح دلیل ہے۔

اور اس کی ایک روایت میں جس کو صاحب مجالس الابرار نے نقل کیا ہے

اس طرح وارد ہوا ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے جو ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرتے تھے ارشاد فرمایا

انا عبدالله بن مسعود فوالذی لا اله غیره لقد جئتم ببدعة ظلماء اولقد فقتم علی اصحاب محمد علیه السلام علما (مجالس الابرار المجلس الثامن عشر – ص ۱۳۳)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور خادم عبداللہ بن مسعود ہوں خدائے وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ نہایت تاریک بدعت کی ہے۔ یا تم علم میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہو (کہ ایسے اعمال ایجاد کرتے ہو جن کا علم بھی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد صاحب مجالس الابرار فرماتے ہیں کہ

هکذایقال بکل من اتے فی العبادات البدنیة المحضة بصفة لم تکن فی زمن الصحابه رضی الله عنهم۔

ہر اس شخص سے ایسے ہی کہنا چاہیے جو خالص بدنی عبادات میں کوئی ایسی صفت پیدا کرے جو صحابہ کے زمانہ میں نہ تھی۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا تعبدوها (اعتصام ص ۱۱۳)

اتبعوا اثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم (الاعتصام ٥٤)

ہر وہ عبادت جس کو صحابہ کرامؓ نے نہیں کیا تم بھی نہ کرو الخ۔۔۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

ہماری نقوش قدم کی پیروی کرو اور اپنی طرف سے ایجادیں نہ کرو کیونکہ تم کفایت کیے گئے ہو۔

بہر حال یہ بالکل ناقابل انکار اصول ہے کہ جو عبادت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں وہ نامشروع اور بدعت ہے اور اس اصول سے فقہاء حنفیہ نے بھی بہ کثرت کام لیا ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ رحمتہ اللہ علیہ فصل الاوقات التی یکرہ فیھا الصلوۃ میں ارقام فرماتے ہیں:

یکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیھما مع حرصہ علی الصلوۃ (ہدایہ ج ۱، ص ۵۳)

صبح صادق کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حالانکہ آپ نماز کے بہت حریص تھے۔

اور اسی ہدایہ باب العید میں ہے۔

لایتنفل فی المصلی قبل صلوٰۃ العید لان النبی علیہ السلام لم یفعل ذالك مع حرصہ علی الصلوۃ (ہدایہ ج ۱، ص ۱۱۸)

اور صلوۃ الکسوف میں لکھتے ہیں:

لیس فی الکسوف خطبۃ لانہ لم ینقل (ہدایہ، ج ۱، ص ۱۲۱)

عید گاہ میں قبل از نماز عید بالکل نفل نہ پڑھے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے باوجود نماز پر بحد حریص ہونے کے کبھی نہیں پڑھے۔

کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ حضور سے منقول نہیں۔

اور علامہ حلبی نے کبیری "شرح منیۃ المصلی" میں صلوۃ الرغائب اور صلوۃ البراۃ کو نامشروع ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ومنھا ان الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من الائمۃ

المجتهدین لم ینقل عنهم هاتان الصلوٰتان فلو کانتا مشروعتین لما فاتتا عن السلف۔ (حلبی کبیر ص ٤٣٣)

اور فتاوی عالمگیری کتاب الکراہیۃ میں ہے:

قراءة الکافرون الی الا خرمع الجمع مکروهة لانها بدعة لم تنقل ذالك عن الصحابة ولا عن التابعین رضی الله عنهم (فتاوی عالمگیری ج ٥، ص ٣١٧)

اور ایک وجہ ان کے نامشروع ہونے کی یہ بھی ہے کہ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مجتہدین سے یہ دونوں نمازیں منقول نہیں۔ پس اگر یہ دونوں مشروع ہوتیں تو ان اسلاف امت سے فوت نہ ہوتیں۔

سورہ کافرون سے آخر تک جمع ہو کر پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ وہ بدعت ہے اور صحابہ و تابعین سے منقول نہیں۔

ان تمام عبارات سے یہ چیز بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جو عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو اور بعد میں ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے نامشروع ہے۔

ان مقدمات کے ذہن نشین کر لینے کے بعد "اذان قبر" بلکہ اس قسم کی تمام بدعات کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ چیز بالکل ظاہر ہے کہ وہ دین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے سامنے پیش کیا تھا (جس میں میت کی تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، طریقہ دفن، دعا بعد الدفن وغیرہ کی تعلیم بھی موجود ہے) اس میں قبر پر اذان دینے کا حکم کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی وارد نہیں ہوا، نیز صحابہ و تابعین اور حتی کہ بعد کے ائمہ مجتہدین نے بھی کبھی اس پر عمل نہیں کیا۔ کیا معاذ اللہ اس رحیم و کریم پیغمبر (فداہ امی و ابی) نے جو بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ کا مامور حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ

رحیم کا مصداق تھا ''اذان قبر'' کے بتلانے میں بخل کیا؟ اور اس ''اذان'' کے جو بہت سے فائدے فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھے ہیں ان سب سے اپنے اصحاب اور اہل بیت تک کو محروم رکھا اور صحابہ و تابعین کی نظر بھی یہاں تک نہ پہونچی؟ اور کیا ائمہ مجتہدین نے بھی اس کو نہ سمجھا۔

سرِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نگفت　　در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

بہر حال یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس اذان کا حکم نہیں دیا، نہ صحابہ و تابعین نے کبھی اس پر عمل کیا نہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء معتبرین نے اس کو اپنے اسفار میں لکھا لہذا یہ ایک عبادت ہے جو بعد میں ایجاد کی گئی پس وہ بدعت ضلالت اور زیادت فی الدین ہے اور اس پر عمل کرنے والے اور اس کو رواج دینے والے شریعت کے مجرم اور سنت کے باغی ہیں۔ اور امیر المومنین حضرت علیؓ و فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود، و صاحب الاسرار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے جو ارشادات مقدمات کے ذیل میں مذکور ہوئے وہ اس کے لیے شاہد عدل ہیں۔

نیز اذان ایک خاص عبادت ہے اور اس کے لیے شریعت مقدسہ نے مخصوص مواقع مقرر کیے ہیں ان سے تجاوز حدود اللہ سے تعدی اور معصیت ہے۔ کیونکہ ہم کو حق نہیں ہے کہ کسی خاص عبادت کے لیے ہم کوئی ایسا موقع یا وقت مقرر کر دیں جو شریعت نے اس کے لیے مقرر نہیں کیا۔ ورنہ اگر ایسی ترمیمیں جائز ہوتیں تو ائمہ مجتہدین عیدین کی نماز کے لیے اذان اور اقامت کے اضافہ کو بدعت قرار نہ دیتے کیونکہ اس کے لیے ''اذان قبر'' سے بہت زیادہ اور بہت اچھے وجوہ پیش کیے جا سکتے ہیں بایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارہ میں تمام فقہاء متفق ہیں۔

امام ابو اسحاق شاطبی غرناطی رحمہ اللہ تعالی بدعات کے بیان میں لکھتے ہیں۔

ومن ذالك الا ذان والا قامة فى العيدين قد نقل ابن

عبدالبر اتفاق الفقهاء على ان لا اذان ولا اقامة فيهما (الاعتصام ص ١٢ ج ٢)

اور اس قبیل سے اذان واقامت عیدین ہیں۔ ابن عبدالبر مالکی رحمتہ اللہ علیہ نے تمام فقہاء کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ عیدین میں نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔

الغرض اذان "**علی القبر**" اس وجہ سے کہ وہ دین الٰہی میں ایک قسم کا اضافہ ہے، اس وجہ سے کہ وہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا نہ صحابہ کرام نے اس کو کیا، نیز اس وجہ سے کہ اس میں حدود اللہ سے تعدی ہے وہ بدعت ضلالت، اور قانون شریعت سے بغاوت ہے۔

یہاں تک جو بحث کی گئی وہ صرف اصولی تھی مزید اطمینان کے لیے فقہ کی بعض متداول کتابوں سے بھی چند تصریحات نقل کی جاتی ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

وفی الا قتصار علی ماذکر من الوارد اشارة الے انه لایسن الاذان عنداد خال المیت فی قبره کما هو المعتاد الان وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة (شامی ص ١٥٩ ج ١)

اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو دفن کرتے وقت اذان' جیسا کہ آج کل عادت ہو گئی ہے' مسنون نہیں ہے اور ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ وہ بدعت ہے۔

اور البحار میں ہے:

من البدع التی شاعت فی الهند الاذان علی القبر بعد الدفن

ان بدعات میں سے جو (بعض) بلاد ہند میں شائع ہو گئی ہیں۔ دفن کے بعد

قبر پر اذان دینا بھی ہے۔

اور توشیح شرح تفتیح لمحمود البلخی میں بھی اس اذان کے متعلق لکھا ہے لیس بشئی کہ وہ کوئی چیز نہیں۔

اور امام ابن ہمام اپنی بے نظیر تالیف "فتح القدیر" شرح ہدایہ "کتاب الجنائز" میں ارقام فرماتے ہیں۔

ویکره عند القبر کل مالم یعهد من السنة والمعهود منها لیس الا زیارتها والدعاء عندها قائما' (فتح القدیر مطبوعه مصر ص ۱۰۲ - جلد۲)

اور قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو اور ثابت من السنہ صرف قبروں کی زیارت ہے اور اون کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کرنا۔

اور بعینہ یہی عبارت "بحر الرائق ۱۹۶ ج ۲ اور ردالمحتار' ص ۱۲۶ ج ۱' اور فتاوی ہندیہ (ص ۱۰۷، جلد ۱) پر بھی ہے۔ اس سے بھی صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ "اذان قبر" بلکہ اس قسم کے تمام وہ مراسم جو سنت سے ثابت نہیں قبر کے پاس مکروہ ہیں۔

استاذ آلافاق حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ نے مائۃ مسائل میں "اذان قبر" ہی کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مندرجہ بالا عبارت نقل کی تھی اور اس سے یہی نتیجہ نکالا تھا کہ "اذان قبر" نادرست ہے۔ مولوی احمد رضا خانصاحب نے "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں اس پر لکھا کہ۔

"امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے مائۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق و فتاوی عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعاء سنت سے

ثابت ہے، اور براہ بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دعا بلکہ بہترین دعا سے ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی دعا، تو وہ بھی اسی سنت ثابتہ کی ایک فرد ہوئی۔"

(انتہی بقدر الحاجۃ)

فی الحقیقت یہ فاضل بریلوی کا مجددانہ مغالطہ ہے اور ممکن ہے کہ وہ خود بھی اس غلطی فہمی میں مبتلا ہوں' اصل بات یہ ہے کہ "دعاء" قرآن و حدیث میں کہیں کہیں اگرچہ "عبادت، ذکر اللہ، ندا وغیرہ بعض معانی میں بھی مستعمل ہے۔ (کما فی المفردات للامام الراغب) لیکن عرف میں دعاء کے لیے طلب اور سوال ضروری ہے اور جو ذکر طلب و سوال سے خالی ہو اس کو اہل عرف "دعاء" نہیں کہتے۔ کما لایخفی۔

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ کوئی قرآنی آیت یا حدیث نبوی نہیں ہے، بلکہ ایک مصنف کی عبارت ہے۔ اس میں جو دعاء کا لفظ ہے۔ اس سے وہی چیز مراد ہو گی جس کو عرف میں "دعاء" کہتے ہیں، اور اذان ہرگز اس کا فرد نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اذان دے رہا ہو تو عرف میں کوئی نہیں کہتا کہ یہ "دعا" ہو رہی ہے"

بہر حال "فتح اور بحر" وغیرہ کی مندرجہ بالا عبارت میں لفظ "دعا" سے مطلق ذکر اللہ مراد لینا اور پھر اس کو اذان پر منطبق کرنا فاضل بریلوی کا افسوسناک مغالطہ یا قلت تدبر کا حیرتناک مظاہرہ ہے، علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ عرف میں ذکر اور دعاء غیر غیر ہیں۔ چنانچہ امام ابو اسحاق شاطبیؒ فرماتے ہیں۔

ھو فی العرف غیر الدعاء (الاعتصام ص ۲۸۸)

ذکر عرف میں دعاء کے بغیر ہے

علاوہ ازیں "فتح القدیر" وغیرہ کی پوری عبارت اس موقع پر اس طرح ہے:

والمعهود منها ليس الا زيارتها والدعاء عندها قائما كما كان يفعل صلى الله عليه وسلم فى

الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مومنین وانا انشاء اللہ بکم لا حقون اسئال اللہ لی ولکم العافیہ" (فتح القدیر' جلد ۲' ص ۱۴۲)

اور سنت سے ثابت صرف قبور کی زیارت اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع جانے میں کیا کرتے تھے اور وہاں فرمایا کرتے تھے "سلامتی ہو تم پر ایمان والوں کی اس بستی کے بسنے والو، اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں میں اپنی اور تمہارے لیے اللہ سے عافیت کی دعا کرتا ہوں"

اس پوری عبارت سے یہ چیز بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہاں "دعاء" سے مطلق ذکر مراد نہیں ہے بلکہ وہی مراد ہے جس کو عرف میں دعاء کہتے ہیں اور وہی سنت سے ثابت ہے۔(۱)

الغرض فتح القدیر بحر الرائق، شامی اور عالمگیریہ کی مندرجہ بالا عبارت کی دلالت "اذان قبر" کے ممنوع اور نادرست ہونے پر نہایت صاف اور واضح ہے اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب پر فاضل بریلوی کا اعتراض محض مغالطہ ہے۔

۱۔ اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "دعا" سے یہاں ذکر ہی مراد ہے، تب بھی اس سے اسی قسم کے اذکار مراد ہوں گے جو معہود من السنہ ہیں اور اذان یقیناً ان میں سے نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اذان چونکہ کچھ اوصاف مخصوصہ کی حامل ہے اس لیے مطلق ذکر کے عام احکام جاری بھی نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہوگی۔

امام ابو اسحاق شاطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فاذ اندب الشرع مثلاً الی ذکر اللہ فالتزم

مثلاً شریعت نے ذکر اللہ کی ترغیب دی ہے پس اگر کوئی جماعت

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ نفس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے بالکل کافی ہے۔ اس کے بعد ہم ان دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس اذان کے ثبوت کے لیے فاضل بریلوی نے اپنے مایہ ناز رسالہ ''ایذان الاجر'' میں لکھے ہیں ''والمسئول من الله تعالی توفیق الصدق والصواب''

فاضل بریلوی کا ایک مغالطہ عامتہ الورود اور اس کے تین جواب

مولوی احمد رضا خان صاحب نے پہلی بات اس موقعہ پر یہ لکھی ہے کہ چونکہ ''اذان قبر'' سے شرع مطہر میں منع نہیں فرمایا گیا۔ لہذا وہ جائز ہے۔ اور یہ اسی مسئلہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ گویا یہ خان صاحب کا مغالطہ عامتہ الورود ہے جس کو انہوں نے اس قسم کی تمام بدعات مروجہ فاتحہ، مروجہ میلاد، قیام میلاد، عرس

---

(۱) قوم الاجتماع علیه علی لسان واحد وبصوت واحد اوفی وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم یکن فی ندب الشرع مایدل علی هذا التخصیص الخ (الاعتصام ص ۲۰۰ ج ۱)

کسی خاص وقت میں جمع ہو کر یک زبان اور یک آواز ذکر کرنے کا التزام کرے تو یہ اس عام ترغیب شرعی کے ماتحت نہ ہوگا۔ (ملخصا)

اس سے ظاہر ہے کہ احکام عامہ سے امور خاصہ کا اثبات درست نہیں۔ پس اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ''فتح،، وغیرہ کی مذکورہ بالا عبارت میں ''دعاء'' سے ذکر ہی مراد ہے جب بھی اس سے خاص اذان ثابت نہیں ہو سکتی۔ علاوہ بریں یہی فاضل بریلوی جو یہاں دعاء سے ذکر مراد لے کر اور پھر اذان قبر کو ذکر قرار دے کر فرد سنت بتلا رہے ہیں خود تصریح فرماتے ہیں کہ اذان خالص ذکر نہیں۔ اور وہ حاضری دربار کی پکار ہے چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۵۰۲ پر اذان کے متعلق فرماتے ہیں ''یہ تو خالص ذکر بھی نہیں''۔

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں کہ ''اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے'' منہ غفرلہ'

وغیرہ) کے جواز کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان تمام بدعات کے لیے ان کے پاس پہلا برہان یہی ہے کہ چونکہ ان امور سے شریعت میں ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ لہذا یہ تمام چیزیں "مباح" ہیں کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے،

پہلا جواب: اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ "اباحت اصلیہ" کوئی متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس میں خود کافی اختلاف ہے کہ آیا اصل اشیاء میں حرمت ہے یا توقف، یا اباحت، اور محققین احناف زیادہ تر اس طرف گئے ہیں کہ اصل اشیاء میں توقف ہے۔

در مختار، کتاب الجہاد باب استیلاء الکفار میں ہے:

الصحيح من مذهب اهل السنة من ان الاصل فى الاشياء التوقف والا باحة راى المعتزلة۔ (در مختار جلد ٤ ص ١٦١)

اہل سنت کا صحیح مذہب یہی ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے اور "اباحت" معتزلہ کا خیال ہے۔

اور اسی در مختار کتاب الوضوء میں ہے۔

واورد عليه فى البحر المباح بناء على ماهوالمنصور من ان الاصل فى الاشياء التوقف (در مختار جلد ١ ص ١٠٥)

مذہب منصور یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے۔ (ملخصا)

اور طوالع الانوار حاشیہ در مختار میں اس موقع پر ہے۔

وهذا الايراد بناء على ماهوالمنصوراى المويد بالا دلة القوية من ان الاصل فى الاشياء التوقف،

مذہب منصور یعنی وہ مسلک جس کی تائید ادلہ قویہ سے ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے۔ (ملخصا)

اور یہی مضمون اس موقعہ پر طحطاوی حاشیہ در مختار میں بھی ہے، اور تعلیقات شرح منار للمصنف میں ہے،

قوله قال اصحابنا الاصل فيها التوقف الخ هذا اصح شئى عندى فى هذا الباب لان التوقف اصل التقوى فى الامر المسكوت عنه وهو مذهب ابى بكر وعمرو عثمان واشباههم من الصحابة رضى الله عنهم

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ اصل اشیاء میں توقف ہے- اور اس باب میں میرے نزدیک یہی صحیح ترین چیز ہے، کیونکہ جس چیز کے بارہ میں شریعت کی طرف سے سکوت ہو اس میں توقف ہی اصل تقوی ہے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور ان جیسے دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے-

یہاں عدم گنجائش کی وجہ سے انہی نقول پر اکتفا کیا جاتا ہے- ورنہ دیگر کتب اصول وکتب فقہ سے بھی اس مضمون کی سیکڑوں عبارات نقل کی جاسکتی ہیں کہ اس باب میں مذہب منصور توقف ہی ہے اور "اباحت" کا خیال مرجوح ہے اور کم از کم اس چیز سے تو کسی کو بھی انکار کی جرات نہیں ہو سکتی کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے- پس ایسی صورت میں کیونکر اس سے استناد درست ہو سکتا ہے- اور جب کہ اصل ہی مسلم اور ثابت نہیں ہے تو اس پر فروع کی بنیاد کس طرح رکھی جاسکتی ہے-

دوسرا جواب: علاوہ ازیں "اباحت اصلیہ" کے اصولوں کو "اذان قبر" یا اور ایسی بدعات میں جاری کرنا جو عبادت کی حیثیت رکھتی ہیں- محض مغالطہ اور خالص سفسطہ ہے کیونکہ "اصل فی الاشیاء" کا مسئلہ عبادات کے لیے نہیں ہے، ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر شخص کو نئی عبادتوں کے ایجاد کا حق ہوگا اور وہ خود ایجاد عبادتیں یہی اس اصول پر مباح اور درست ٹھیریں گی- مثلا فرض کیجئے کہ

خانصاحب بریلوی جیسا کوئی بدعت پسند پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز ایجاد کرے اور اس کی ہر رکعت میں دو دو رکوع اور چار چار سجدے رکھے تو کیا اس اباحت اصلیہ کے قانون سے اس نو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا؟ الغرض اباحت اصلیہ کے قانون کو عبادات میں جاری کرنا محض جہالت ہے۔ بعض علماء متقدمین نے بھی اس کی تصریح فرمادی ہے کہ "اصل فی الاشیاء" کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ صرف امور عادیہ میں ہے نہ کہ امور تعبدیہ میں چنانچہ امام ابو اسحاق شاطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ولا یصح ان یقال فیما فیه تعبد انه مختلف فیه علی قولین هل هو علی المنع ام هو علی الاباحة بل هو امر زائد علی المنع لان التعبدیات انما وضعها الشارع فلا یقال فی صلوة سادسة مثلا انها علی الاباحة فللمکلف وضعها علی احدالقولین لیتعبدبها لله لانه باطل باطلاق۔ (الاعتصام ص ۳۰۱ ج ۱)

امور تعبدیہ کے متعلق یہ کہنا درست نہیں ہے۔ کہ ان کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ ممنوع الاصل ہیں یا مباح الاصل (الغرض وہ اس اختلاف کے ماتحت نہیں ہیں) کیونکہ امور تعبدیہ کو تو شارع ہی نے مقرر کیا ہے فرض کیجئے کہ اگر کوئی شخص چھٹی نماز ایجاد کرے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اباحت اصلیہ کے قول کی بنا پر یہ مباح ہے اور مکلف کو اس کی ایجاد کا حق ہے کیونکہ یہ مطلقا باطل ہے۔ (ملخصا)

بہر حال "اباحت اصلیہ" کے جو لوگ قائل بھی ہیں ان کے نزدیک بھی عبادات کے لیے یہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف ان امور کے لیے ہے جو تعبدی نہ ہوں پس "اذان قبر" وغیرہ بدعات سے اس مسئلہ کو کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔

تیسرا جواب اور اگر اس ساری بحث سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تب بھی یہاں "اباحت اصلیہ" سے فاضل بریلوی کا استناد صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس "اذان" کو صرف جائز اور مباح ہی نہیں کہتے ہیں، بلکہ مستحب اور فرد سنت ہونے کے مدعی ہیں چنانچہ اسی رسالہ "ایذان الاجر" ص ۱۲ کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ان دلائل جلائل نے کالشمس فی وسط السماء واضح کردیا کہ اس اذان کا جواز بلکہ استحباب یقینی بلکہ بہ نظر عمومات شرع بوجوہ کثیرہ فرد سنت ہے۔"

پس جب کہ فاضل بریلوی کے نزدیک اس اذان کا استحباب بلکہ فرد سنت ہونا دلائل شرعیہ سے ثابت ہے تو پھر اباحت اصلیہ کا اصول اس پر کسی طرح منطبق نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے تحت میں صرف وہی امور آسکتے ہیں۔ جن کے متعلق شریعت میں کوئی حکم نہ ہو۔ بہر حال "اذان قبر" اور اس قسم کی دوسری بدعات کا جواز ثابت کرنے کے لیے "اباحت اصلیہ" کے اصول سے فاضل بریلوی کا استناد بوجوہ مذکورہ بالا محض غلط اور خالص مجددانہ مغالطہ ہے۔

فاضل بریلوی کی پہلی دلیل اور اس کا جواب

اباحت اصلیہ کے مغالطہ عامۃ الورود کے ذکر کے بعد فاضل موصوف نے پہلی دلیل یہ پیش کی ہے۔

"وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور سوال نکیرین ہوتا ہے شیطان رجیم وہاں خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے تو یہ اذان (یعنی اذان قبر) خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالا مال،، (ایذان الاجر ص ۲، ۳ ملخصا بلفظہ)

اس دلیل کی بنیاد دو مقدموں پر ہے، ایک یہ کہ دفن میت کے بعد قبر میں بھی شیطان خلل انداز ہوتا اور سوال نکیرین کے جواب میں بہکانا چاہتا ہے اور دوسرے یہ کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔"

ہم کو ان دونوں مقدمون کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے پہلے مقدمہ کے ثبوت میں فاضل بریلوی نے نوادر الاصول کے حوالہ سے حضرت سفیان ثوریؒ کا جو ایک قول بلا سند کے نقل کیا ہے وہ محض ناکافی بلکہ ناقابل توجہ ہے جب تک کہ اس کی سند نہ پیش کی جائے اور اس کا قابل اعتبار و لائق احتجاج ہونا نہ ثابت کیا جائے کیونکہ نوادر الاصول ان کتابوں میں سے ہے جن میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات موجود ہیں۔ پس کسی روایت کا صرف اس کے حوالے سے نقل کر دینا اس کی حجیت کے لیے بالکل ناکافی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت میں اس کا کوئی خفیف سا بھی اشارہ نہیں کہ یہ امر (یعنی قبر میں شیطان کا میت کا بہکانا) ان کو کسی نص سے معلوم ہوا ہے۔ بلکہ اس کے آخری الفاظ "فلهذا اورد سوال التثبت له حين يسئل" صاف اس طرف مشیر ہیں کہ یہ بات انہوں نے اس حدیث سے سمجھی ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ بعد دفن کے میت کے لیے ثابت قدمی کی دعاء کرو کیونکہ اس وقت اس سے نکیرین کے سوالات ہوں گے" اور ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ہرگز اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہاں شیطان بھی اس وقت آتا ہے کیونکہ ثابت قدمی کی دعا کے لیے شیطانی اثر کا احتمال بھی ضروری نہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے خود اپنے لیے ثابت قدمی کی دعاء بکثرت ثابت ہے حالانکہ آپ کے متعلق دخل شیطان کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

الغرض یہ محض استنباط ہے اور وہ بھی نہایت کمزور بنیاد پر، علاوہ بریں یہ چیز قواعد شرعیہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ شرعی اصول اس کو چاہتے ہیں کہ انسان پر شیطان کا تسلط صرف موت تک ہو نہ کہ بعد موت کے، لہٰذا اس لیے بھی یہ

روایت قابل رد ہے اور اس کی نسبت سفیان ثوریؒ کی طرف نا قابل تسلیم۔
والعلم عندالله العليم الحكيم۔

علی ہذا بعض صحابہ کرام سے بعض روایات کے اندر بعد دفن کی دعاؤں میں جو "اللهم اعذه من الشيطان الرجيم" یا "من شرالشيطان الرجيم" وارد ہوا ہے، اس سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت وہاں قبر میں شیطان موجود ہوتا ہے، بلکہ قواعد شرعیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ ان دعاؤں میں اغواء شیطان کے اس اثر بد سے پناہ مانگی جا رہی ہے جو حیاۃ دنیا میں پڑ چکا تھا اور جس کا بدلہ ملنے کا اب وقت شروع ہوا ہے۔

علاوہ ازیں شیطان سے یا شر شیطان سے پناہ مانگنے کے لیے یہ ضروری ہی نہیں کہ وہاں شیطان یا اس کا اثر بالفعل موجود ہی ہو۔ یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم شیطان اور شر شیطان سے ہمیشہ کے لیے محفوظ تھے۔ بایں ہمہ آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے شیطان اور شر شیطان سے پناہ مانگی تو کیا نعوذ باللہ یہ کہا جائے گا کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان کا اثر ہو گیا تھا۔ معاذ الله ولا حول ولا قوة الا بالله)"

بہر حال ان روایات سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دفن کے بعد قبر میں شیطان اغواء و اضلال کے لیے آتا ہو۔ پس فاضل بریلوی کا پہلا مقدمہ محض بے بنیاد ہے۔

فاضل موصوف نے اپنی دلیل کے دوسرے مقدمہ کے ثبوت میں صحیحین کی اس حدیث کو پیش کیا ہے۔ جس میں وارد ہوا ہے کہ "موذن جب اذان کہتا ہے تو شیطان گوز زناں دور بھاگتا ہے، اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہ اثر حدیث شریف میں نماز کی اذان کا بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات میں "اذا اذن المؤذن" اور "ان الشيطان اذا سمع النداء بالصلوة" کے الفاظ اس پر صریحاً دال ہیں، اور جس روایت میں قید مذکور نہ ہو

وہ بھی بقاعدۂ محدثین اسی مقید پر محمول ہو گی- علاوہ ازیں وہ پوری حدیث اس طرح ہے کہ جب موذن نماز کے لیے اذان کہتا ہے تو شیطان گوز زناں اتنی دور تک بھاگا چلا جاتا ہے کہ اذان کی آواز نہ آئے، پھر جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو فورا واپس آجاتا ہے پھر جب اقامت شروع ہوتی ہے تو اسی طرح دور بھاگتا ہے- اور جب اقامت ختم ہو جاتی اور نماز شروع ہو جاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے یہاں تک کہ نماز میں خلل انداز ہوتا ہے-

اس پوری روایت سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں نماز کی اذان کا یہ اثر بتلایا گیا ہے نہ کہ ہر اس اذان کا جس کو یار لوگ خود ایجاد کر لیں اور اوسط طبرانی کی جس حدیث کا فاضل بریلوی نے اس موقعہ پر حوالہ دیا ہے چونکہ اس کے اصل الفاظ ایک خاص وجہ سے انہوں نے نقل نہیں کیے ہیں اس لیے ہم بھی اس کے متعلق یہاں کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے اور صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ وہ روایت قابل استدلال نہیں ہے- ہاں محل تائید و تشدید میں پیش کی جاسکتی ہے اور جب صحیح وغیرہ کی روایت سے استدلال صحیح نہیں رہا تو اب محض اس روایت سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا-

اگر فاضل بریلوی کے کسی لائق جانشین کی سمجھ میں بھی ہمارا یہ مختصر جواب نہ آئے تو وہ اصل روایت معہ سند کے پیش کریں، اس کے بعد ہم انشاء اللہ اس اجمال کی تفصیل بھی کر دیں گے- یہ تو خانصاحب کی دلیل کے دونوں مقدموں پر ایک سرسری نظر تھی-

فریق مخالف سے چند سوال: اس کے بعد ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ دونوں مقدمے تسلیم بھی کر لیے جائیں اور یہ مان بھی لیا جائے کہ واقعی شیطان بعد دفن کے قبر میں آتا ہے اور نکیرین کے جواب میں بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور میت (خدانکروہ) اس کے بہکانے میں آبھی سکتا ہے، اور اذان دینے سے وہ فورا بھاگ جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ نبی کریم

بالمومنین رؤف رحیم (علیہ التحیۃ والتسلیم) نے اپنی امت مرحومہ کو یہ جادو اثر نسخہ (اذان قبر) کیوں نہیں بتلایا؟ اور کیوں نہیں مدۃ العمر میں کبھی ایک دفعہ بھی کسی شخص کی قبر پر اذان دلوا کر وہاں سے شیطان کو بھگایا اور صحابہ کرام بھی اس نسخہ عجیبہ کو کیوں نہ معلوم کر سکے؟ اور کیوں نہ تابعین وائمہ مجتہدین نے کبھی اس پر عمل کیا؟ فی الحقیقت ایسے ہی بدعت پسندوں کے حق میں فقیہہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

لقد هد يتم لما لم يهتدله نبيكم وانكم لتمسكون بذنب ضلالة۔

(ہاں) تم کو وہ راستہ مل گیا ہے جو تمہارے پیغمبر کو بھی نہیں ملا تھا؟ فی الحقیقت تم گمراہی کی دم پکڑے ہوئے ہو۔

آج فاضل بریلوی اس دنیا میں موجود نہیں ہیں اس لیے ان کی بجائے ان کے جانشینوں سے ہمارا یہ سوال ہے اور اسی کے ساتھ تین سوال اور بھی حاضر ہیں۔

(۱) صحیحین کی جس روایت میں یہ وارد ہوا ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ جیسے ہی اذان ختم ہوتی ہے وہ فوراً پھر واپس آ جاتا ہے یہاں تک کہ نماز میں خلل انداز ہوتا ہے پس اگر آپ حضرات کا یہ خیال صحیح ہے کہ وہ قبر میں بھی آتا ہے اور اذان کی آواز سن کر بھاگ جاتا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ آپ کی اذان کے ختم پر وہ پھر وہاں وارد ہو جاتا ہوگا۔ اور پھر خلل انداز ہوتا ہوگا پس ایسی صورت میں محض ایک بار کی اذان کیونکر کافی ہوگی۔ اور اگر فاضل بریلوی سے اس بارے میں غفلت ہو گئی ہے تو کیا اب آپ حضرات دس بیس یا اس سے زیادہ مرتبہ قبر پر اذان دینے کا حکم صادر فرما کر فاضل موصوف کے اس سہو و نسیان کی تلافی فرمائیں گے؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ "نوادر الاصول" جیسی کتاب ہی میں نہیں بلکہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری اور دوسری کتب صحاح میں بھی یہ روایت

موجود ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیوی کے پاس جانے کے وقت یہ دعاء پڑھنی چاہیے: بسم الله اللهم جنبنی الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا الخ..........

اور اس حدیث کی شرح کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے:

"ان الذی یجامع ولا یسمی یلتف الشیطان علی احلیله" الخ (فتح الباری ص ۹۲ جز ۲۱)

اس سے صاف ثابت ہے کہ مجامعت کے وقت بھی شیطان خلل اندازی کے لیے انسان کے پاس آتا ہے اور یہ چیز کسی قاعدہ شرعیہ کے مخالف بھی نہیں ہے تو کیا آپ حضرات کے نزدیک شیطان کو بھگانے کے لیے اس موقعہ پر اذان دینا بھی مستحب اور فرد سنت ہے؟ اور کیا اس پر آپ حضرات عمل فرماتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ وجہ فرق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(۳) سنن ابی داؤد میں مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "ان هذه الحشوش محتضرة الحدیث" یعنی قضائے حاجت کے ان مقامات پر شیاطین موجود رہتے ہیں۔ پس جب تم میں سے کوئی پاخانے جائے تو یہ دعاء کر لیا کرے "اللهم انی اعوذبك من الخبث والخبائث۔"

اس حدیث صحیح صریح سے معلوم ہوا کہ پاخانوں میں شیاطین موجود رہتے ہیں تو کیا آپ حضرات کے نزدیک پاخانہ جاتے وقت بھی اذان پکارنا مستحب اور سنت ہے۔ اگر نہیں تو کیوں وجہ فرق کیا ہے؟ بینوا توجروا!!

فاضل بریلوی کا دوسرا استدلال اور اس کا جواب

فاضل بریلوی کا دوسرا استدلال حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن

کیے جا چکے اور قبر درست کر دی گئی تو دیر تک حضور علیہ الصلوۃ والسلام سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور آپ کے صحابہ کرام بھی برابر اسی طرح کہتے رہے پھر حضورؐ نے فرمایا "اللہ اکبر" اور آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی کہا اس کے بعد صحابہ نے عرض کیا "حضرت! آپ نے کس واسطے سبحان اللہ سبحان اللہ کہا تھا" تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اس مرد صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ تکلیف دور کر دی۔" فاضل بریلوی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لیے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔

اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے تسبیح و تکبیر اس لیے پڑھی تھی کہ صاحب قبر کی تکلیف دور ہو جائے بلکہ احتمال اور قوی احتمال ہے کہ آپ نے اس ہیبتناک منظر، اور خداوند قہار کے اس جلالی نمونے کو دیکھ کر از راہ تعجب و استغراب یا اتعاظ و اعتبار کے طور پر سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہا ہو جیسا کہ ایسے مواقع پر ہر صاحب عرفان کی کیفیت ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی مرقاۃ میں اسی کو اختیار کیا ہے وہ "سبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وکل التسبیح کان للتعجب او للتنزیہ لا دارۃ تنزیھہ تعالی من ان یظلم احدا

اور یہ ساری تسبیح از راہ تعجب تھی یا تنزیہ کے واسطے یعنی اللہ تعالیٰ کی اس بات سے پاکی بیان کرنی مقصود تھی کہ وہ کسی پر ظلم کرتا ہو۔

اس کے بعد علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے قریب قریب یہی مضمون کچھ مزید تفصیل و تشریح کے ساتھ حافظ ابن حجرؒ سے بھی نقل کیا ہے۔

بہر حال قرین قیاس یہی ہے کہ اس موقعہ پر حضور ﷺ سے جو تسبیح و تکبیر کا صدور ہوا وہ تعجب و استغراب یا تذکر و اعتبار کے جذبہ کے ماتحت ہوا اور اس کا تعلق اس ہیبتناک منظر سے تھا جو آپ نے مشاہدہ فرمایا اس کا ایک زبردست قرینہ یہ بھی ہے کہ یہ تسبیح و تکبیر حضور ﷺ سے صرف اسی ایک موقع پر یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہی کی قبر پر ثابت ہے لیکن اگر یہ چیز اس غرض کے واسطے سے ہوتی کہ صاحب قبر کی تکلیف دور ہو اور اس پر خدا کی رحمت نازل ہو تو یہ اسی موقعہ کے ساتھ خاص نہ ہوتی بلکہ ہر قبر پر آپ کا یہ عمل ہوتا۔ کیونکہ اس خاص وقت میں ہر میت خدا کی رحمت کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ لیکن سیرت نبویہ کے تتبع سے نہیں معلوم ہوتا کہ اس موقع کے سوا کہیں اور بھی آپ نے ایسا کیا ہو بلکہ آپ کی عام عادت دفن کے بعد استغفار و دعا کی تھی اور اس کی آپ نے امت کو تعلیم بھی دی ہے۔

بہر حال اس پہلو پر غور کرنے سے یہ چیز متعین ہو جاتی ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر پر بعد دفن کے حضور ﷺ کا سبحان اللہ و اللہ اکبر کہنا تعجب و استغراب اور تذکر و اعتبار کی بنا پر تھا' نہ کہ دفع عذاب اور انزال رحمت کی نیت سے اس تحقیق کے بعد اس حدیث سے فاضل بریلوی کا استدلال صحیح نہیں رہا، کیونکہ اس صورت میں حضور ﷺ کی وہ تسبیح و تکبیر عالم غیب کے ایک خاص ہیبتناک امر کا مشاہدہ کی وجہ سے تھی اور حضورؐ کے جن افعال کا تعلق اس قسم کے احوال مخصوصہ سے ہو وہ انہیں مواقع کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ جس کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ صلوۃ کسوف میں حضور ﷺ نے جنت کا مشاہدہ فرمایا اور آپ نماز ہی کی حالت میں چند قدم آگے بڑھ گئے، اور آپ نے دوزخ کا مشاہدہ فرمایا اور اس کے آتشیں شراروں کو دیکھ کر اس نماز کی حالت

میں آپ چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن چونکہ آپ کا یہ فعل ایک خاص غیبی مشاہدہ پر مبنی تھا اس لیے کسی امام نے بھی یہ نہیں کہا کہ نماز کسوف میں اس طرح آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا امت کے لیے سنت، یا مستحب، یا جائز ہی ہے، اسی طرح چونکہ حضرت سعدؓ کی قبر پر حضور ﷺ کا سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا ایک خاص غیبی امر یعنی "ضغطۂ قبر" کے مشاہدہ کی وجہ سے تھا۔ اس لیے ہمارے لیے وہ قانون عمل نہ ہوگا۔

اور قطع نظر اس سے حدیث میں تسبیح کے ساتھ تو "طویلا" کا لفظ وارد ہوا ہے مگر تکبیر کے ساتھ اس قسم کا کوئی لفظ وارد نہیں ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ سبحان اللہ تو حضور ﷺ نے دیر تک فرمایا، لیکن اللہ اکبر ایک ہی دو مرتبہ فرمایا، اور علامہ علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تصریح فرمائی ہے کہ "حضور ﷺ نے اللہ اکبر حضرت سعدؓ کی تکلیف دور ہو جانے کے بعد کہا" اور یہی انہوں نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے۔ پس ان چیزوں کو ملحوظ رکھنے کے بعد تو اس حدیث میں فاضل بریلوی کے استدلال کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ (کما لا یخفی علی المتبصر المتیقظ)

اور اگر اس ساری بحث کو تھوڑی دیر کے لیے نظر انداز بھی کر دیا جائے اور فاضل بریلوی کے اس بے بنیاد خیال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ تسبیح و تکبیر میت (یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) پر آسانی کے لیے تھی اور اذان سے یہ مقصد آپ کے نزدیک بوجہ اتم اور مع شے زائد" حاصل ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ بات معاذ اللہ معلوم نہ تھی؟ یا آپ اس وقت اس کو بھول گئے تھے، آخر آپ نے وہاں اذان کیوں نہ پکاری؟ یا کیوں کسی صحابی کو حکم نہ دیا کہ تم اذان پڑھ دو؟ کہ اس مرد مومن کی تکلیف دور ہو جائے اور جب کہ حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا اور (بقول شما) اس غرض کے لیے آپ نے چند بار صرف سبحان اللہ اور اللہ اکبر فرمایا۔ تو آپ اسی کو کیوں نہیں کافی اور بہتر سمجھتے؟

اور کیوں اسی پر عمل نہیں کرتے ؟ آپ کو اس سے الگ کسی چیز (یعنی اذان) کے ایجاد کرنے اور اس کو رواج دینے کا کیا حق ہے ؟

فاضل بریلوی کا تیسرا استدلال اور اس کا جواب

فاضل بریلوی کا تیسرا استدلال حدیث تلقین ''لقنوا موتا کم لا اله الا الله" سے ہے اور استدلال کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں مردوں کو کلمہ پاک سکھانے کا حکم ہے تاکہ نکیرین کے سوالات کے جواب میں بہک نہ جائیں اور چونکہ اذان مین بھی کلمہ پاک تین جگہ ہے بلکہ اس کے تمام کلمات نکیرین کے تینوں سوالوں کا جواب بتلا دیتے ہیں لہذا بعد دفن اذان دینا حضور ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل ہے۔

اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اس حدیث میں لفظ ''موتاکم" سے قریب المرگ مراد ہیں جو حالت نزع میں ہوں اور انہی کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہو اور خدا توفیق دے تو آخر کلام بھی کلمہ پاک ''لا اله الا الله ہو"۔ اس صورت میں اس مسئلہ کو ''اذان قبر" سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا۔ لیکن اگر اس لفظ سے ''حقیقی مردے" مراد لیے جائیں۔ اور اس تلقین کو تلقین علی القبر پر محمول کیا جائے جیسا کہ عام شوافع اور بعض حنفیہ کا بھی خیال ہے اور مسئلہ سماع اموات میں بھی جمہور حنفیہ کے مسلک سے قطع نظر کر لیا جائے جب بھی اس سے اذان قبر کسی طرح ثابت نہیں ہو جاتی۔ جس معصوم وجود (نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے تلقین بہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم دی ہے وہ بھی اس بات سے باخبر تھے کہ اذان میں یہ کلمہ تین بار ہے، نیز یہ بھی ان کو معلوم تھا کہ اذان میں اس کلمہ کے علاوہ رسالت کی شہادت اور نماز کی ترغیب بھی ہے اور اس سے مردہ کو نکیرین کے تینوں سوالوں کے جواب میں مدد مل سکتی ہے۔ مگر بایں ہمہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ قبر پر اذان کہا کرو، بلکہ صرف

یہ فرمایا "لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ" تو اب کسی کو اس میں ترمیم کا کیا حق ہے، اور جو شخص آپ کے تعلیم کردہ طریقۂ تلقین کے علاوہ اسی غرض کے لیے اب اذان کو تجویز کرتا ہے، تو گویا وہ حضور اقدس ﷺ کی تعلیم فرمودہ شریعت پر استدراک کرتا ہے، حالانکہ آپ کی شریعت وہ مکمل شریعت ہے جس نے پہلی آسمانی شریعتوں پر بھی خط نسخ کھینچ دیا ہے-"

فاضل بریلوی کا چوتھا استدلال اور اس کا جواب

فاضل بریلوی کا چوتھا استدلال ان روایات سے ہے جن میں وارد ہوا ہے کہ "آگ دیکھو تو اللہ اکبر کہو" اور استدلال کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر میں بھی آگ کا عذاب ہوتا ہے اور اذان میں کلمہ اللہ اکبر چھ مرتبہ کہا جاتا ہے، لہذا اس آتش عذاب اور غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وہاں اذان دینا بھی فرد سنت ہوگا (ملخصا)

اس کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر عرض کیا جاچکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کلمہ اللہ اکبر کی اس تاثیر سے واقف تھے اور یہ بھی آپ کو معلوم تھا کہ اذان میں یہ کلمہ مبارکہ چھ دفعہ ہے اور اس کے علاوہ دوسرے کلمات طیبہ بھی اس میں ہیں، لیکن بایں ہمہ عذاب قبر کے ٹھنڈا کرنے کے لیے نہ کبھی کسی قبر پر خود اذان دی، نہ دلوائی نہ اس کا حکم صادر فرمایا- تو اب کسی دوسرے کو اس وضع و ایجاد کا حق نہیں پہنچتا-

صحابی رسول فقیہہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی احداث و ایجاد کا دروازہ بند کرنے کے لیے فرمایا ہے:

اتبعوا اثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم (رواہ ابن وضاح کما فی الاعتصام)

تم ہمارے نقوش قدم کی پیروی کرو اور نئی باتیں ایجاد نہ کرو کیونکہ تمہارا

دین مکمل کیا گیا ہے۔

فاضل بریلوی کے پانچویں اور چھٹے استدلال کا جواب

فاضل بریلوی کا پانچواں استدلال ان روایات سے ہے جن میں بعد دفن کی دعاؤں میں "اللهم اجرها من الشيطان" اور "اللهم اعذه من الشيطان" اور اسی قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کا جواب ہم پہلی دلیل کے جواب کے ذیل میں بہ تفصیل عرض کر چکے ہیں اب اعادہ کی حاجت نہیں۔

چھٹا استدلال : فاضل موصوف کا یہ ہے کہ دفن کے بعد میت کے لیے قبر پر دعاء کرنا احادیث سے ثابت و سنت ہے، اور چونکہ اذان بھی ایک ذکر ہے اور ہر ذکر دعا ہے لہذا اذان بھی دعا ہونے کی حیثیت سے اسی سنت کا ایک فرد ہے۔"

فاضل موصوف کے اس مجددانہ مغالطہ کا جواب بھی پہلی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے اور بتلایا جا چکا ہے کہ وہاں جو سنت ہے وہ دعاء بالمعنی المعروف ہے نہ کہ دعاء بمعنی مطلق ذکر اور یہ بات خود ان دونوں حدیثوں سے بھی ظاہر ہے جو فاضل موصوف نے اس موقعہ پر دعا کی سنت ثابت کرنے کے لیے نقل کی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں استغفار اور دعاء عرفی ہی کا ذکر ہے بہر حال چونکہ خانصاحب کے اس مغالطہ کی حقیقت ہم اس سے پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں اس سے زیادہ کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

فاضل بریلوی کے ساتویں استدلال کا جواب

فاضل بریلوی کا ساتواں استدلال یہ ہے کہ "دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی نیک عمل کر لیا جائے اور اذان بھی ایک عمل صالح ہے۔ لہذا دفن کے بعد میت کے لیے دعاء کرنے سے پہلے اذان پڑھ لینا مطابق مقصود اور سنت ہوگا۔

اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اگر اذان اس واسطے دی جاتی ہے تو پھر تو اس موقع پر نماز اس سے بہتر ہے کیونکہ وہ افضل العبادات ہے۔ اور قطع نظر اس سے سوال یہ ہے کہ اذان ہی کی تخصیص اس کام کے لیے کیوں کی گئی؟ اور اس تخصیص کا حق آپ کو کہاں سے حاصل ہوا؟ مطلق کو اس طرح مقید کر دینا، اور عمومات کو اس طرح سے خصوص کے قالب میں ڈھال دینا یہی تو احداث فی الدین اور منصب تشریع پر دست اندازی ہے امام ابو اسحاق شاطبیؒ فرماتے ہیں۔

فالتقیید فی المطلقات التی لم یثبت بدلیل الشرع تقیید هارای فی التشریع" ان مطلقات" کو مقید کرنا کہ جن کی تقیید شریعت سے ثابت نہیں، شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔

قطع نظر اس سب سے یہ کس نے کہا کہ اذان قبر "عمل صالح" ہے وہ تو بدعت ہونے کی وجہ سے خالص معصیت ہے۔ قال النبی صلی الله علیه وسلم کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار"

فاضل بریلوی کے آٹھویں استدلال کا جواب

فاضل بریلوی کا آٹھواں استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں وارد ہوا ہے کہ "اذان کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے" استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ اذان کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے اس لیے میت کے لیے دعاء کرنے سے پہلے اذان کہہ لینا بہتر ہو گا،

فی الحقیقت یہ بھی فاضل موصوف کا نہایت عیارانہ مغالطہ ہے، حضرت سہل بن سعد ساعدی اور حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت انس رضی اللہ عنہم بن مالک کی جو تین حدیثیں خانصاحب نے اس موقعہ پر نقل کی ہیں ان سب میں "اذان نماز" کا ذکر ہے جو معہود فی الشریعت ہے نہ کہ اذان قبر کا جو محدث اور

بدعت ہے، اور نہ مطلق الفاظ اذان کا خود وہ کسی وقت اور کسی موقع پر ہوں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ کسی صحابی اور حتی کہ کسی تابعی سے بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے کسی موقعہ پر صرف قبولیت دعاء کے لیے مستقل طور پر دعا سے پہلے اذان پکاری ہو- (ومن ادعی فعلیہ البیان)

فاضل بریلوی کے نویں استدلال کا جواب

فاضل بریلوی کا استدلال نہم ان احادیث سے ہے جن میں وارد ہوا ہے کہ موذن کے لیے اذان باعث مغفرت ہے- استدلال کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موذن مغفور ہے اور مغفور کی دعاء زیادہ قابل قبول ہے تو اگر دفن کے بعد کسی سے اذان کہلوا کر میت کے لیے دعاء کرائی جائے گی تو اس کی قبولیت کی زیادہ امید ہو گی، لہذا یہ اذان بالکل مقصد شریعت کے مطابق ہو گی-"

اس دلیل میں بھی خان صاحب نے وہی مغالطہ دیا ہے جو اس سے پہلی دلیل میں دیا تھا یعنی احادیث میں اذان معہود فی الشرع یعنی اذان نماز کا ذکر تھا، اور اسی کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ وہ موذن کے لیے باعث مغفرت ہے اور جس خشک و تر چیز کو بھی اذان کی آواز پہنچتی ہے وہی موذن کے لیے خدا سے مغفرت طلب کرتی ہے، بہر حال یہ فضیلتیں اذان شرعی کے لیے وارد ہوئی تھیں آپ نے ان کو "اذان قبر" پر بھی ڈھال دیا جو بدعت اور معصیت ہے- یا للعجب علاوہ ازیں اگر خانصاحب کے اس اجتہاد کو صحیح مان لیا جائے کہ جب دعاء کرنی ہو تو داعی پہلے اذان پکار لیا کرے تاکہ دعاء سے پہلے اس کے سارے گناہ برکت اذان معاف ہو جائیں اور پھر وہ بالکل مرحوم و مغفور ہو کر دعاء کرے تاکہ ضرور ہی اس کی دعاء مقبول ہو تو پھر گزارش یہ ہے- پھر تو تمام شرکاء دفن کو دعا سے پہلے اذان پکارنی چاہیے تاکہ سب کی دعاء مقبول ہی ہو اور میت کی مغفرت یقینی بلکہ رجسٹرڈ ہو

جائے۔

فاضل بریلوی کے دسویں اور گیارہویں استدلال کا جواب

اس اذان قبر پر فاضل بریلوی کا دسواں استدلال یہ ہے کہ "اذان" ذکر الٰہی ہے اور ذکر الٰہی کا دافع عذاب ہونا بہت سی احادیث کریمہ سے ثابت ہے پس قبر پر اذان دینے کے باعث میت سے عذاب ٹل جانے کی امید ہے۔" (ملخصا)

گیارہواں استدلال یہ ہے کہ "اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور حضور کا ذکر مبارک باعث نزول رحمت ہے، لہذا جب قبور پر اذان دی جائے گی تو اس کی برکت سے میت پر رحمت نازل ہو گی۔"

خانصاحب کی ان دونوں دلیلوں کا جواب اسی قدر کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ معلوم تھا کہ اذان ذکر اللہ اور ذکر رسول پر مشتمل ہے۔ نیز آپ اس سے بھی بے خبر نہ تھے کہ اللہ اور اس کے رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر دافع عذاب اور موجب نزول رحمت ہے، لیکن بایں ہمہ آپ نے مدة العمر میں کبھی ایک دفعہ بھی کسی قبر پر اذان نہیں کہی، نہ اس کا حکم صادر فرمایا، نہ صحابہ و تابعین میں سے کسی نے اس پر عمل کیا، نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے اس راز کو سمجھا تو آج چودہویں صدی کے کسی شخص کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی ان قیاس آرائیوں سے دین میں پیوند کاری کرے۔ علاوہ ازیں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام عامہ سے امور خاصہ ثابت نہیں ہو سکتے، پس صرف اس چیز سے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول باعث دفع عذاب اور موجب نزول رحمت ہیں اذان علی القبر کا اثبات صحیح نہیں، امام ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان الاصل اذا ثبت فی الجملہ لا یلزم اثباتہ فی التفصیل فاذا ثبت مطلق الصلوۃ لا یصح منہ اثبات الظہر والعصر اوالو تراو غیرھا حتی ینص علیھا علی الخصوص

(الاعتصام ص ۱۸۲ ج ۱)

کسی چیز کی اصل جب اجمالی درجہ میں ثابت ہو تو اس سے تفصیلی رنگ میں اس کا ثبوت لازم نہیں آتا (مثلاً) جب مطلق نماز ثابت ہو تو اس سے ظہر و عصر یا وتر وغیرہ کسی خاص نماز کا اثبات نہیں ہوتا تاوقتیکہ خصوصیت کے ساتھ اسُ کی تصریح نہ ہو۔..

پس صرف اتنی بات سے کہ "ذکر اللہ اور ذکر رسول باعث دفع عذاب اور موجب نزول رحمتہ ہے" یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ اذان قبر بھی موجب دفع عذاب اور باعث نزول رحمت ہو۔ کون نہیں جانتا کہ نفل نماز بہترین عبادت، اور تقریب خداوندی کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے اور اس کے فضائل احادیث بلکہ قرآن میں بھی بے شمار آئے ہیں۔ لیکن صرف اتنی بات سے ان نفل نمازوں کی فضیلت ثابت نہیں ہو جاتی جو بعد کو بطور بدعت کے یار لوگوں نے ایجاد کی ہیں جیسے کہ "صلوۃ الرغائب" اور "صلوۃ البرات" وغیرہ اور اس واسطے امیر المومنین امام المتقین سیدنا حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے دوگانہ عید سے پہلے نفل نماز پڑھنے والوں کو روک دیا، اور اس کو بتلایا کہ تیری یہ نماز نیکی نہیں ہے جس پر کسی ثواب کی توقع ہو بلکہ ایک فعل عبث ہے جس پر عذاب الٰہی کا خطرہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر فاضل بریلوی اس موقع پر موجود ہوتے تو سیدنا حضرت علی کو مناظرہ کا چیلنج دیدیتے ورنہ حسب عادت شریفہ کم از کم ایک عدد رسالہ ضرور ہی لکھ دیتے جس میں تمام وہ آیتیں اور حدیثیں جمع کر دیتے جو مطلق نماز کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں بلکہ وہ ساری حدیثیں بھی جن میں رکوع، سجدہ، تسبیح و تقدیس، تکبیر و تہلیل، تلاوت قرآن، ذکر اللہ اور ذکر رسول کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور آخر میں لکھتے کہ "ان تمام آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ یہ تمام اعمال خیر بے حد محبوب اور بہت مرغوب، اور ان کا کرنے والا خدا کی خاص رحمتوں کا مستحق، اور چونکہ نماز عید سے پہلے کی نفل نماز بھی ایک نماز ہی ہے جس لئے

شریعت میں کوئی خاص نہی وارد نہیں ہوئی، اور اس میں رکوع ہے، سجدہ ہے، خدا کی حمد و ثنا ہے، تسبیح و تقدیس ہے، تکبیر و تہلیل ہے، قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ اور ذکر رسول ہے، لہٰذا وہ نماز بھی قطعاً جائز بلکہ باعث ثواب اور موجب قرب الٰہی ہے اور اس سے منع کرنے والے وہابی ہیں جن کا کام ہی دنیا کو اعمال خیر سے روکنا ہے۔"

اور اگر ہم بھی اس وقت موجود ہوتے اور اللہ تعالی خانصاحب کے اس رسالہ کا جواب لکھنے کی توفیق دیتا تو ہم اس وقت بھی یہی عرض کرتے کہ ع "سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست"

اور امام ابو اسحاق شاطبی کے الفاظ میں کہتے کہ خانصاحب "الشئی اذاثبت فی الجملة لا یلزم اثباته فی التفصیل" بہر حال خانصاحب کی یہ دسویں اور گیارہویں دلیل پہلی تمام دلیلوں سے بھی زیادہ مہمل اور لچر ہیں۔

فاضل بریلوی کی بارہویں اور تیرہویں دلیل کا جواب

فاضل بریلوی کی بارہویں دلیل یہ ہے کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ مردے کو قبر میں وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے اور اذان دافع وحشت اور باعث اطمینان خاطر ہے کیونکہ وہ ذکر اللہ ہے اور قرآن پاک میں ہے، "الا بذکرالله تطمئن القلوب" اور ابو نعیم و ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نزل ا‌د‌م بالهند الخ" یعنی جب آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اترے انہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام نے اتر کر اذان دی) پس ایسے ہی میت کی قبر پر اذان دینے سے اس کی وحشت دفع ہوگی، اور اس میں اس میت کی اعانت اور ہمدردی ہے جو اللہ کو بہت ہی محبوب ہے، حدیث پاک میں ہے والله فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیه (یعنی اللہ تعالی بندہ کی مدد میں ہے جب تک کہ بندہ اپنے

بھائی مسلمان کی مدد میں ہے -(ملخصا)

اور تیرھویں دلیل ان کی یہ ہے کہ اذان غم اور پریشانی کو دفع کرتی ہے چنانچہ مسند فردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا تو ارشاد فرمایا ''اے علی میں تجھے غمگین پاتا ہوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے وہ غم اور پریشانی کی دافع ہے، اور میت کے لیے بھی وہ وقت خاص حزن و غم کا ہوتا ہے لہذا قبر پر اذان دینے سے اس کا وہ غم والم دور ہو جائے گا- اور وہ خوش ہوگا اور مسلمان کا دل خوش کرنا اللہ تعالی کو بے حد محبوب ہے، ان احب الاعمال الی اللہ تعالی بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم (ملخصا)

ان دونوں دلیلوں کے جواب میں بھی ہم وہی عرض کریں گے کہ یہ سب باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم تھیں آپ جانتے تھے کہ اذان میں ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ سے قلب مسلم کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، اس کی بھی آپ کو خبر تھی کہ میت کو قبر میں، وحشت ہوتی ہے اور وہاں وہ غم زدہ ہوتا ہے، نیز اس سے بھی آپ واقف تھے کہ بیکس مسلمانوں کی امداد و اعانت اور اس کی وحشت اور رنجیدگی کو دور کر کے اس کو خوش کرنا بہت بڑی نیکی ہے، بایں ہمہ کبھی ایک دفعہ بھی کسی قبر پر آپ نے اذان نہیں دی، نہ اس کا حکم دیا- تو کیا معاذ اللہ آپ ﷺ کو کسی مسلمان میت سے ہمدردی نہ تھی؟ کیا آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام کسی مسلمان کے غم والم کو دور کر کے اس کو خوش کرنا نہیں چاہتے تھے؟ اگر یہ خیالات غلط ہیں، اور یقیناً غلط ہیں تو کہنا پڑے گا کہ جو لوگ اس کام کے لیے اب اذان ایجاد کرتے ہیں وہ شریعت پر استدراک کے مدعی ہیں اور گویا وہ دین الٰہی کو اپنی ترمیمات اور اضافات کا محتاج سمجھتے ہیں- (اعاذنا اللہ عن ذالک)

خانصاحب کی چودھویں دلیل اور اس کا جواب

چودھویں دلیل خانصاحب کی یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ذکر اللہ کی بے حد تاکید اور بہت زیادہ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں (قال الله تعالى يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب: ٤١) - وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم" اكثر واذكر الله حتى يقولوا مجنون" وقال عليه السلام اذكرو الله عند كل حجر و شجر") ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت شرعاً مطلوب اور خدا کو بہت مرغوب ہے اور اذان قبر بھی ذکر خدا ہے پس وہ بھی اس حکم میں داخل ہے (ملخصا)

اس کا جواب بھی وہی ہے جو ہم ابھی ابھی دسویں اور گیارہویں دلیل کے جواب میں بہ تفصیل عرض کر چکے ہیں، یعنی احکام عامہ سے امور خاصہ کا اثبات محض جہالت ہے، شیخ دہلوی ترجمہ مشکوۃ مین ارقام فرماتے ہیں۔

"اتباع وحی باید کرد بسیار امرے محمود کہ در حد ذات فضیلت دارد آما خصوص مقامے وارد نشدہ ودرست نیامدہ چنانچہ مصافحہ بعد از نماز وامثال آن۔"

چونکہ اس مضمون کی پوری تفصیل پہلے کی جا چکی ہے اس لیے یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے،

پندرہویں دلیل کا جواب

پندرہواں اور آخری استدلال فاضل بریلوی کا یہ ہے کہ بعض علماء کرام مثلاً امام نووی، شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر قبر پر بیٹھنا مستحب ہے، اور یہ بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لیے دعاء اور وعظ و نصیحت اور عباد صالحین کی حکایات میں مشغول رہیں۔" فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ حکایات اہل خیر و تذکرہ صالحین وغیرہ کے استحباب کی وجہ صرف یہ ہے کہ میت کو نزول رحمت کی حاجت اور ان امور میں نزول رحمت، تو

اذان کہ بشہادت احادیث موجب نزول رحمت و دفع عذاب ہے کیوں جائز بلکہ مستحب نہ ہوگی؟ (ملخصا)

اس آخری دلیل میں بھی فاضل موصوف نے اسی مجددانہ مغالطہ کو استعمال کیا ہے جو اس سے پہلی چند دلیلوں میں بھی وہ استعمال کر چکے ہیں- دراصل ان علماء کرام کا منشاء یہ ہے کہ دفن سے فارغ ہونے کی بعد جو لوگ کچھ دیر کے لیے قبر پر رہ جائیں وہ وہاں یا قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہیں- یا اور اچھی باتیں کرتے رہیں جیسے وعظ و نصیحت یا اہل خیر و صلاح کے تذکرے، اور فی الحقیقت یہاں تک کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر کوئی جدت پسند اس عموم کی اس طرح تخصیص کرے کہ اس وقت خاص فلاں دعاء کی جائے، یا فلاں وعظ کہا جائے یا خاص فلاں مسئلہ شرعیہ بیان کیا جائے، یا خاص فلاں بزرگ کی فلاں کرامت کا ذکر کیا جائے (حالانکہ ان تقیدات کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں) تو یہ تمام تخصیصات و تقیدات بدعت اور مردود ہوں گی، پس علماء کرام کی اس عام بات سے خاص اذان علی القبر کا اثبات محض مجددانہ فریب ہے نیز چونکہ اذان خالص ذکر نہیں ہے جیسا کہ خود فاضل بریلوی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، اور وہ بہت سی خصوصیات زائدہ کی حامل ہے اور اس کے لیے شریعت کی طرف سے مواقع اور محال مقرر ہیں اس لیے اس کو عام اذکار کے حکم میں رکھا بھی نہیں جا سکتا- بہر حال دلائل سابقہ کی طرح یہ آخری دلیل بھی محض مغالطہ پر مبنی ہے-

بس یہ ہیں فاضل بریلوی کے وہ پندرہ "دلائل جلائل" جن کے ارقام فرمانے کے بعد موصوف نے اپنے علم واجتہاد کی داد بایں الفاظ دی ہے:

"یہ پندرہ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائض ہوئیں" (ایذان الاجر ص ۱۲)

اور یہ حقیر راقم سطور ناچیز محمد منظور (عفی اللہ عنہ) عرض کرتا ہے کہ یہ تھی فاضل بریلوی کی ان مایہ ناز دلائل کی حقیقت جو بعون اللہ تعالی ایک ہی جلسہ میں

حوالہ قلم ہوئی فالحمد لله علی ذالك وله المنة۔

نفس مسئلہ کا حکم اور اس کے دلائل ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔اب ہمارے ناظرین کو فاضل بریلوی کے مایہ ناز دلائل کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی اور مسئلہ بحمد اللہ تعالیٰ واضح ہو گیا لیکن اگر بالفرض اس کے بعد بھی کسی کم فہم کو اشتباہ باقی رہے تو باتفاق علماء اس کے لیے صحیح راہ عمل بھی ہے کہ وہ ایسے مشتبہ کام کے پاس نہ جائے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے دع ما یریبك الی مالا یریبك

جس چیز میں شبہ ہو اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جس میں کوئی شک نہ ہو۔

اور علامہ شامی "بحر الرائق" سے ناقل ہیں۔اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترك السنة راجحا علی فعل البدعة (رد مختار)

اور "طریقہ محمدیہ" میں ہے،۔"ان الفقهاء قالوا اذا تردد فی شیئی بین کونه سنة و بدعة فترکه لازم"

ان تصریحات کا منشا یہی ہے کہ جب کسی چیز کے بدعت یا سنت ہونے میں شک ہو تو اس کو چھوڑ دینا ہی لازم ہے۔پس وہ عوام الناس جو اس قسم کے مسائل میں فریقین کے دلائل کا موازنہ کر کے صحیح رائے قائم کرنے سے قاصر ہوں ان کے لیے بھی اتنا سمجھ لینا تو ضرور آسان ہے کہ اس چیز کے بدعت، اور مباح، یا مستحب، یا سنت ہونے میں شبہ ہے۔لہذا ان کے لیے اس سے بچنا ہی صحیح راہ عمل ہے۔اور جب کہ زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی روشن سنتیں ہمارے لیے موجود ہیں تو پھر ان محدثات و مزخرفات میں الجھنے کی ہم کو کیا ضرورت ہے۔

ولله در القائل وخیر امور الدین ماکان سنة
وشر الامور المحدثات البدائع

اس کے بعد ہم اذان قبر کے حامیوں کی خدمت میں چند سوال پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

فریق مخالف سے چند سوالات

سوال اول : صلوۃِ عیدین، صلوۃِ کسوف و خسوف، صلوۃِ جنازہ، ان تمام نمازوں کے لیے کتاب و سنت میں اذان و اقامت کا حکم نہیں ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی خاص صحیح اور صریح نہی موجود ہے پس اگر فاضل بریلوی سے سبق حاصل کر کے کوئی بدعت پسند ان نمازوں کے لیے بھی اذان جاری کرے، اور اس کا جواز، بلکہ استحباب و استحسان ثابت کرنے کے لیے معمولی تصرف کے ساتھ بعض وہی دلائل پیش کرے جو فاضل بریلوی نے "اذان قبر" کا جواز و استحباب ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں (اور جو معمولی ترمیم کے بعد ان نمازوں کی اذان پر بہ نسبت اذان قبر کے اچھی طرح منطبق ہو سکتے ہیں) تو آپ حضرات کے پاس ان کا کیا جواب ہے؟ یا آپ حضرات ان نمازوں کے لیے اذان کو مستحب و مستحسن سمجھتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا۔

سوال دوم : فاضل بریلوی نے اذان قبر پر چودھویں دلیل پیش کرتے ہوئے ذکر اللہ کی کثرت اور اس کی فضیلت کے متعلق آیات و احادیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :

"تو ذکر الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب و مرغوب و مطلوب و مندوب ہے جس سے ہرگز ممانعت نہیں ہو سکتی جب تک کسی خصوصیت خاصہ میں کوئی نہی شرعی نہ آئی ہو اور اذان بھی قطعاً ذکر خدا ہے، پھر خدا جانے ذکر خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ ہمیں حکم ہے کہ ہر سنگ و درخت کے پاس ذکر الٰہی کریں۔ قبر مومن کے پتھر کیا اس حکم سے خارج ہیں؟

پس اگر کسی جگہ کے لوگ خانصاحب کی اسی دلیل کو پیش نظر رکھ کر یہ طریقہ اختیار کر لیں کہ تمام نمازی مسجد میں داخل ہوتے ہی اذان پکاریں۔ بلکہ نماز تک پکارتے ہی رہیں اور جب ان کو اس حرکت سے منع کیا جائے تو وہ جواب

میں خانصاحب کی مندرجہ بالا دلیل کی تلاوت کردیں اور کہہ دیں کہ ذکر الٰہی ہمیشہ ہر جگہ (خصوصا مساجد میں) بے حد مرغوب و محبوب و مطلوب و مندوب ہے اور اذان بھی بہترین ذکر ہے جس سے شریعت میں کوئی خاص نہی وارد نہیں ہوئی بلکہ ہم کو حکم ہے کہ "مساجد میں اللہ کا خوب ذکر کرو" اور حکم ہے کہ ہر پتھر اور درخت کے پاس خدا کا ذکر کرو، اور مسجد کی عمارت میں اور اس کی فرش میں بھی پتھر ہیں، لہٰذا انہیں احکام کی جا آوری کے لیے ہم اذانیں پڑھتے ہیں تو فرمایا جائے کہ کیا ان کا یہ عمل جائز اور یہ استدلال درست ہوگا؟ نہیں تو کیوں؟

سوال سوم احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نجاست و غلاظت کے مقامات پر شیاطین رہتے ہیں اور فاضل بریلوی نے اپنے اس رسالے "ایذان الاجر" میں اس پر بہت زور دیا ہے کہ شیطان کے دفع کرنے کی بہترین تدبیر اذان ہے پس اگر کوئی خانصاحب جیسا مجتہد یہ معمول کرلے کہ بیت الخلا جاتے وقت اپنے ملازم سے کہے کہ جب تک میں فارغ ہو کر نہ آجاؤں اس وقت تک تم اذان پکارتے رہو تاکہ میں شیاطین کے شر سے محفوظ رہوں- تو کیا اس کا یہ فعل جائز ہوگا؟ اگر نہیں تو اس کی خالص بریلویانہ دلیل کا کیا جواب ہے؟

تین سوال یہ ہیں اور تین ہی اس رسالے کے ص ۲۷-۲۸ پر پیش کیے جا چکے ہیں- پس اگر کوئی صاحب اس تحریر کے جواب کا ارادہ فرمائیں تو وہ ان چھ سوالوں کا جواب بھی دے کر ممنون فرمائیں- والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متابعة سيدنا المصطفى عليه وعلى اله من الصلوٰة اتمها ومن التحيات اكملها " كتبه احقر عباد الله محمد منظور النعمانی عفی عنه مولاه-"

ضمیمہ امعان النظر

یہ رسالہ ''امعان النظر'' پہلے جمادی الاخر اور رجب ۵۶ کے الفرقان میں شائع ہو چکا تھا۔ اس وقت ایک صاحب نے ذیل کے دو سوال کیے۔

(۱) امعان النظر کے صفحہ ۱۶ پر دعوی کیا گیا ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے شیطان سے پناہ مانگی'' براہ کرم حدیث کا حوالہ دیا جائے۔ (۲) نیز اسی صفحہ پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جن روایات میں بلا قید نماز کے مطلق اذان کی یہ تاثیر وارد ہوئی ہے کہ شیطان اس سے دور بھاگتا ہے وہ ان مقید روایات پر محمول ہوں گی جن میں ''اذان نماز'' کی تصریح ہے۔ حالانکہ فقہا حنفیہ کا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ مطلق مقید پر محمول نہیں کیا جاتا'' المطلق یجری علی اطلاقه والمقید علی تقییده؟

ان سوالوں کا جو مختصر جواب اس وقت دیا گیا تھا تعمیم فائدہ کے لیے یہاں بھی درج کیا جاتا ہے نمبر وار ملاحظہ ہو۔ (۱) اس مضمون کی حدیثیں بکثرت ہیں جو کتب حدیث کی کتاب الدعوات کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ یہاں صرف ایک حدیث درج کرتا ہوں۔

سنن ابی داوٗد ''کتاب الصلوٰة باب مایقول عندد خول المسجد'' میں حضور کی یہ دعاء منقول ہے۔ اعوذ بالله العظیم و بوجهه الکریم وبسلطانه القدیم من الشیطان الرجیم

(۲) حضرات فقہا حنفیہ کا جو یہ اصول ہے کہ ''المطلق یجری علی اطلاقه والمقید علی تقییده''۔ تو اس کا منشا یہ ہے کہ اگر دو مستقل نص ہوں جن میں سے ایک مطلق ہو اور دوسرا مقید تو ان دونوں کو اپنے اپنے محل پر حال خود رکھا جائے اور ایک کو دوسرے پر محمول نہ کیا جائے۔ لیکن اگر ایک ہی حدیث دو صحیح

www.Tauheed-Sunnat.com

طریقوں سے مروی ہو اور ایک طریقہ میں کوئی قید زائد ہو جو دوسرے میں وارد نہیں ہوئی ہے تو ایسے موقعہ پر یہ اصول متفق علیہ ہے کہ اس قید زائد کا اعتبار کیا جائے گا اور اس دوسری روایت کو جس میں یہ زیادتی نہیں ہے اس زیادت والی روایت پر محمول کر لیا جائے گا یہ اصول حدیث کا مسلمہ مسئلہ ہے اور اس مین حنفیہ اور غیر حنفیہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

"شرح نخبة الفکر"

میں ہے، وزیادۃ الثقة مقبولة مالم یخالف المزید علیه ملخصا،، اور امعان النظر ص ۱۶ پر جن دو روایتوں کے متعلق،، میں نے لکھاہے کہ یہاں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، وہاں یہی دوسری صورت ہے، فتاملوا ولا تعجلوا۔